ڈاکٹر محمد خاں اشرف

وزٹنگ پروفیسر اردو، جی سی یونیورسٹی لاہور

جدیدیت کے چار تناظر

Dr. Muhammad Khan Ashraf

Visiting Prof. Urdu, GC University, Lahore

Four Perspectives of Modernism

Modernism or its Urdu equivalent, Jadidiat is a vague, loose, but comprehensive term which, on the one hand, implies ideas, modes, methods, styles and artistic expressions, of or relating to the present or recent times and different from traditional styles and values, and on the other, also connotes movements in arts, literature, religion, politics, science and philosophy pertaining to the last three centuries. In this paper the author argues that the term has been used so loosely and extensively that it has lost its critical and philosophical function to identity a specific movement and a system of thought. The result is a confusion of ideas and thought. He analyses that the term has come to be used, variously, for four major and different phenomena in the history of human thought and civilization which are entirely separate and distinguishable from each other. He has identified these four perspectives of modernism and has suggested the modification of the term to label them.

نام ایجاد کرنے یا گھڑنے میں انسان ہمیشہ بہت خودکفیل واقع ہوا ہے ۔ یہ اس کی مہارت ہے کہ کوئی نئی چیز ہو، وہ اس کی ایجاد کے ساتھ اس کا نام بھی وضع کر لیتا ہے ۔ زبانوں میں اشیا کے نام بنانے کا ایک خصوصی لینگ ہے نام تو لیبل(Label) ہے لیکن چونکہ اشیا کسی کام آتی ہیں ، کسی عمل اورخواہش کا اظہار ہوتی ہیں اس لیے اس کے مطابق ان کا نام رکھ لیا جاتا ہے ۔ یہ اتفاقی بھی ہوسکتا ہے اور علمی بھی۔ سائنسی طور پر جن چیزوں کی ضرورت ہو ان کے نام وضع کرنے کے دستور ہوتے ہیں لیکن جو چیزیں غیرمرئی ہوتی ہیں جیسے تصورات ، خیالات ونظریات ، ان کے ناموں کے بارے میں عموماً الجھن پیدا ہوتی ہے ۔ چیزوں کے افادے یاان کی نمایاں صورت کی بنا پر ان کا نام رکھ لیا جاتا ہے ۔لیکن تصورات و خیالات غیر مرئی ہوتے ہیں۔عموماً تصورات و خیالات کی خوبی وخصوصیات کی بنا پر ان کا نام وضع کرلیا جاتا ہے ۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان تصورات، ان سے وابستہ توجیہات و

تعبیرات اور ان کے تضمن میں اتنی تبدیلی وسعت، ارتقا اور ترقی ہوتی ہے کہ وقتی سہولت کے لیے وضع نام ان کے لیے مناسب نہیں رہتا مثلاً رومانٹسزم یعنی رومانویت کا نام جس مظہر کے لیے رکھا گیا اس کے بیان کے لیے یہ لفظ یا ترکیب بالکل نامناسب تھی رومانویت کے آغاز کے بعد کے عہد میں اس کے ساتھ وابستہ دیگر بہت سے مظاہر انسانی فکر کی تاریخ میں وارد ہوئے جو بظاہر متنوع، مختلف اور بسا اوقات متضاد محسوس ہوتے ہیں یہاں تک کہ لوجوائے نے یہ بھی کہا کہ رومانویت ایک مظہر ہے ہی نہیں، بہت سے مختلف مظاہر پر مشتمل ہے جن کا آپس میں کوئی معنوی ربط نہیں لہٰذا ان کو ایک عنوان کے تحت نہیں رکھا جا سکتا لیکن پیکھم نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ ایک ہی مظہر کی مختلف صورتیں ہیں[۲] گریرسن نے اس حقیقت کو برملا تسلیم کیا کہ اگرچہ رومانویت کا نام تخلیقیت اور بغاوت کے اس انسانی مظہر کے لیے درست نہیں ہے جس کے لیے اسے استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سے بہتر نام اس مظہر کے لیے جس نے جدید دور کی پوری تاریخ کو پلٹ دیا ہے ہمارے پاس نہیں۔[۳]

انسانی نظام فکر کی تحریکوں کے ناموں اور ان کے مظاہر کے درمیان عدم مطابقت کی وجہ یہ ہے کہ خیالات، تصورات اور نظریات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، ان میں ارتقا ہوتا رہتا ہے لیکن ان تبدیلیوں کے لیے مناسب نام وضع کرنے کا کوئی طریق کار نہیں ہے۔ نام محض لیبل ہیں۔ بعض اوقات تبدیلیاں و انقلابات آ چکے ہوتے ہیں لیکن یا تو فوری طور پر ان کا شعور نہیں ہوتا یا پھر ان کے ادراک میں دیر ہوتی ہے لہٰذا ان کا نام ان کے وجود پذیر ہونے کے بہت بعد میں رکھا جاتا ہے جیسے نشاۃ الثانیہ جس تاریخی اور تہذیبی مظہر کے لیے استعمال ہوتا ہے، وہ پہلے وقوع پذیر ہوا اور اس کے کئی صدیوں کے بعد یہ نام اس کے لیے استعمال کیا گیا۔

ذہنوں میں، تصورات و نظریات میں، سماجی و نفسیاتی مظاہر میں تبدیلیاں آہستہ آہستہ رونما ہونے لگتی ہیں لیکن انھیں کوئی نام نہیں دیا جاتا اور کبھی ایسا نام دے دیا جاتا ہے جو مناسب نہیں ہوتا کیونکہ نام دینے والے کے سامنے اس کے پورے امکانات نہیں ہوتے۔ غرض ناموں کی تفہیم میں یہ بات سامنے رکھنی چاہیے کہ نام خاص طور پر تصورات و خیالات اور نظریات کے مجموعے کے نام ایک طرح سے محض لیبل ہوتے ہیں، ان کی تعبیر و تضمن کو لغوی طور پر اخذ نہیں کرنا چاہیے بلکہ معروضی طور پر جائزہ لے کر اس کا تعین کیا جائے۔

جدیدیت کے نام کے ساتھ بھی یہی الجھن ہے۔ جدیدیت، تصورات و خیالات کے جن مجموعوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے وہ فکرِ انسانی کے بہت سے مظاہر پر مشتمل ہے جو اپنے تعبیر و تضمن میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہی نہیں زمانی اور مکانی طور پر انسانی نظامِ فکر کی تاریخ کے وسیع عرصے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جدیدیت کے تصور کو سمجھنے کے لیے ہم کو ان مظاہر اور ان کے اختلاف کو سمجھنا ہوگا۔

جدیدیت کے بارے میں لکھی گئی تحریروں کا ایک اجمالی جائزہ اس کثرتِ تعبیر کو واضح کر دیتا ہے۔ کچھ ناقدین اور مفکرین ایک طرف تو جدیدیت کی اصطلاح کو نہایت ہی وسیع طور پر جدت کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں ہر نئی جدت جدیدیت کی علم بردار بن جاتی ہے، دوسری طرف جدیدیت کے فنی اور فلسفیانہ تصور کے وہ داعی ہیں جو اس اصطلاح کو صرف اس تحریک کے استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں جو بیسویں صدی میں نمودار ہوئی۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق یہ:

''عہدِ جدید کی بے حد متنازع اصطلاح ہے۔ ایسی اصطلاح جو تخلیقات سے وابستہ تصورات کے ساتھ ساتھ اخلاقی و

روحانی اقدار کا بھی تجزیاتی مطالعہ کرنے کی دعوے دار ہے۔اگر چہ جدیدیت کے علم بردار بیسویں صدی کے مخصوص تناظر میں اس کی اہمیت اور افادیت کا مطالعہ کرتے ہیں مگر یہ ان معنی میں مطلق (Absolute) نہیں بلکہ بنیادی طور پر اضافی (Relative) ہے''۔[۴]

ڈاکٹر سلیم اختر اسی الجھن کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اقدار و تخلیقی عمل میں ''ہر عمل کا ردِعمل جدید ہوگا۔۔عمل اور ردِعمل کی جدلیات دراصل قدیم و جدید کی آویزش کا نام ہے''۔[۵]

ڈاکٹر سلیم اختر دراصل یہ بیان کر رہے ہیں کہ انسانی تاریخ میں جب بھی کوئی نیا پن یا جدت پیدا ہوئی وہ جدید کہلائی یعنی اس لحاظ سے جدیدیت انسانی تخلیقی عمل کا ایک مستقل اظہار ہے جو ازل ہی سے جاری ہے۔لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ جدیدیت کے علم بردار اس کا مطالعہ صرف بیسویں صدی کی ایک تحریک کے حوالے سے کرنے کے داعی ہیں۔اب ایک مظہر جو ایک طرف زمانی اور مکانی لحاظ سے لامحدود ہواور دوسری طرف محدود، اس کا مطالعہ یقیناً الجھن، تضادات اور تنازع کا باعث ہوگا۔

یہ الجھن ہمیں اردو کے تقریباً تمام نقادوں اور مفکرین کے ہاں نظر آتی ہے۔مثال کے طور پر ڈاکٹر شمیم حنفی اپنے مقالہ ''جدیدیت کی فلسفیانہ اساس'' میں لکھتے ہیں: ''ہر وہ رویہ جو زندگی کی پرانی قدروں سے گریز اور نئی کی جستجو کا پتہ دیتا ہے جدید ہے''۔[۶]

لہٰذا اس نقطہ نظر کے مطابق اپنے مقالے میں جدیدیت کی فلسفیانہ بنیادوں کا سرسید اور حالی اور اس کے بعد کے مفکرین اور شعرا کے حوالے سے مطالعہ کرتے ہیں اور ہند کے علاوہ مغرب کی انیسویں اور بیسویں صدی کی تمام نمایاں تحریکوں کے فلسفیانہ تجزیے کو جدیدیت کے اس مطالعے میں شامل کر لیتے ہیں جس میں رومانویت سے لے کر نیو کلاسیکیت، وجودیت، فرائڈ اور یونگ سے لے کر مارکسیت تک سبھی نظامِ فکر شامل ہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی بھی اسی نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہیں۔لکھتے ہیں:

''اگر جدیدیت بغاوت اور انحراف کا دوسرا نام ہے تو انحراف تو ہر عہد میں ہوا۔ہم یہ کہیں گے کہ جدیدیت نہ صرف انحراف بلکہ قدیم کی تنسیخ کا نام ہے''۔[۷]

اس کے بعد وہ مغرب میں جدیدیت کی روایت کے مطالعے کو صرف سترھویں صدی ہی سے شروع نہیں کرتے بلکہ رومانوی ادیبوں کے حوالے سے قدیم یونانی ادب تک جا پہنچتے ہیں اور رومانویت سے وجودیت تک تمام نمایاں تحریکوں اور فلسفوں کے مطالعے کو اس میں شامل کر دیتے ہیں۔

اس الجھن اور وسعت کے باعث اکثر نقاد اس خیال کے قائل نظر آتے ہیں کہ جدیدیت کی اصطلاح کی تعریف اور حد بندی ممکن ہی نہیں ہے اور یہ کہ اس کی صرف تشریح کی جا سکتی ہے۔اس نقطہ نظر کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ جدیدیت کی اصطلاح سے بیک وقت بہت سے متنوع اور بسا اوقات متنازع اور متضاد تصورات و افکار وابستہ ہو چکے ہیں جو زمانی اور مکانی طور پر بھی ابعاد کا شکار ہیں اور فنی، فکری اور فلسفیانہ لحاظ سے بھی ان کو کسی ایک وحدت میں پرویا نہیں جا سکتا۔دراصل اس پیچیدگی اور دقت کا شعور اس مسئلے کے حل کی طرف پہلا قدم ہے۔ضروری ہے کہ ان اختلافات کو پہچان کر الگ الگ کر دیا جائے تاکہ فن و فلسفہ کی اس الجھن کو سلجھایا جا سکے۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امتیازات کا ادراک ضروری ہے۔

۱۔ اکثر مفکرین اور نقاد جدیدیت کو ''جدت'' کے اظہار کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ یہ نقطہ نظر ''جدید'' کے لغوی معنوں پر مبنی ہے اور پوری انسانی تاریخ کو محیط کر لیتا ہے ۔ یہ بنیادی طور پر جدیدیت کے اصطلاحی معنوں سے مختلف ہے لہٰذا اس کو ''روایتی جدیدیت'' کہا جا سکتا ہے ۔ اس کو جدیدیت کی فلسفیانہ اصطلاح سے گڈ مڈ نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ دوسرا نقطہ نظر وہ ہے جو یورپی تاریخ کے پہلے پندرہ سو سالہ عہد کو کلاسیکی عہد قرار دیتا ہے اور اس کے بعد آنے والے دور کو جو دریافت کے زمانہ، روشن خیالی اور رومانوی بغاوت پر مشتمل ہے اور سولھویں/ سترھویں صدی عیسوی میں یورپ میں شروع ہوا اور دنیا کے مختلف ملکوں میں مختلف وقتوں میں پہنچا، کو جدید عہد قرار دیتا ہے ۔ یہ عہد انسانی ارتقا کی تاریخ میں ایک انقلاب کا دور ہے جس نے قدیم کلاسیکی مابعد الطبعیات کو شکست و ریخت کر کے ایک نئے دور کی بنیاد ڈالی جو انکشاف ، ترقی اور بغاوت کا دور ہے ۔اس عہد کو تاریخ میں جدیدیت یا جدید عہد کہا جاتا ہے لہٰذا اس کو ''تاریخی جدیدیت'' سے موسوم کرنا زیادہ مناسب ہے ۔

۳۔ ایک تیسرا عہد انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول پر مشتمل ہے ۔ یہ دور دنیا میں نو آبادیاتی نظام کے خاتمے اور انسانی تاریخ میں ایک عینی امید کا ایسا دور تھا جب خیال کیا جاتا تھا کہ سائنس ،ٹیکنالوجی اور سیاسی بیداری کے سبب دنیا امن وخوشحالی کی حدود میں داخل ہوگئی ہے ۔ اس دور میں پوری دنیاوی سطح پر امن اور ترقی کے قیام و استحکام اور جنگ وجدل کے خاتمے کے لیے لیگ آف نیشنز اور یو این او کی بنیاد پڑی۔ مارکسیت نے عوام اور مزدوروں کی خوشحالی اور جمہوریت نے انسانوں کی برابری کے بلند آہنگ دعوے کیے ۔ یہ عہد ان مہا بیانیوں کا عہد ہے جب مجموعی طور پر انسانی فلاح اور عروج کا امکان دنیا پر ظاہر ہو رہا تھا۔مہابیانیوں کے اس عہد کو'' عینی جدیدیت'' کا نام دیا جا سکتا ہے۔

۴۔ دو عظیم جنگوں اور سپر پاورز کی کشمکش نے جلد ہی انسانوں کے اس خواب کو جو مہابیانیوں کی صورت میں دیکھا گیا تھا ، چکنا چور کر دیا ۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد لوگ مایوسی کا شکار ہونے لگے ،تنہائی ، اجنبیت اور مایوسی نے انسان کے اجتماعیت میں اعتماد کو شکستہ کر دیا۔ اس عہد میں فکر وفن میں وجودیت نے اظہار پایا اور اس سے وابستہ خیالات اور فن وفکر میں اس کے اظہار کو جدیدیت کا نام دیا گیا ۔ یہ عہد ہے جس نے شعوری طور پر خود کو جدیدیت سے منسوب کیا ہے ۔ اس تحریک کو وضاحت کے لیے'' فنی جدیدیت'' کہا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جدید اور جدیدیت کے نام کے ساتھ چار واضح مختلف جداگانہ نظریات وتصورات کے مجموعے وابستہ ہیں ۔ جدیدیت کی کسی بھی تفہیم کے لیے اگر اس بات کو سامنے نہ رکھا جائے تو نتیجہ الجھن اور خلط مبحث ہوگا اور تصورات ونظریات کو صحیح طور پر سمجھنے میں مشکل ہوگی ۔ جدیدیت کے ان چاروں تصورات کو مختصر طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

الف: جدیدیت کا روایتی تصور ۔ روایتی جدیدیت

ب: جدیدیت کا کلاسیکیت کے مقابلے میں سائنس اور ایجادات کے نئے عہد کا تصور۔تاریخی جدیدیت

ج: جدیدیت کا مہا بیانیوں اور عظیم آدرشوں اور تحریکوں کے پیش نظر تصور ۔عینی جدیدیت

د: جدیدیت کا بیسیویں صدی میں وجودیت کے فلسفے کے پیش نظر تصور۔فنی جدیدیت

زمانی او رمکانی لحاظ سے یہ چاروں تصورات علیحدہ علیحدہ اور جداگانہ ہیں اور یہ چاروں جدیدیت کی الگ الگ شکلیں ہیں ۔ ان چاروں کے ساتھ ایسے مختلف تصورات ، خیالات اور نظامِ فکر وابستہ ہیں جن میں سوائے لفظ جدید کے اور کچھ بھی زیادہ مشترک نہیں ہے ۔ لہٰذا ان کا مطالعہ انہی چار مظاہر کے اختلاف کے پیش نظر کرنا چاہیے اور جدیدیت کی بحث میں ہمیشہ پہلے یہ متعین کر لینا چاہیے کہ جدیدیت کے کون سے مظہر کی بحث مقصود ہے ورنہ وہی الجھن ہمارا حاصل ہو گی جس سے باقی مفکرین ابھی تک الجھ رہے ہیں ۔ یہ ظاہر ہے کہ جدیدیت کے چاروں تصورات میں زمانی و مکانی بُعد کے دوران انسانی تہذیب، تصورات اور فکر کی بہت سی نئی جہتیں کھل چکی تھیں ، بہت سے نئے موضوعات سامنے آ چکے تھے ۔ اگر ہم جدیدیت کے ان تصورات میں اس واضح امتیاز کو سامنے نہیں رکھیں گے تو انسانی نظامِ فکر کی یہ تبدیلیاں ہمارے لیے نا قابلِ فہم ہوں گی ۔ ذیل میں اس اجمال کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

ا۔ روایتی جدیدیت

جدیدیت ، جدید سے نکلا ہے ۔ اصطلاح میں ہر قدیم چیز کے مقابلے میں کوئی بھی دوسری بعد کی چیز کو جدید کہا گیا جیسے قلی قطب شاہ کے مقابلے میں ولؔی اپنے عہد کے لیے ایک جدید شاعر تھا ، ولی کے مقابلے میں میؔر اور غالبؔ کو جدید کہا جاتا ہے حالانکہ یہ سارے شعرا اردو ادب کے کلاسیکی عہد سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے نزدیک ''ہر عہد کی جدیدیت اگلے عہد کی کلاسیکیت بن جاتی ہے'' اس لحاظ سے ہر قدیم کے مقابلے میں ہر نئی چیز کو جدید کہا جاتا ہے خواہ وہ کسی بھی عہد سے متعلق ہو جدت کا یہ تصور وقت کی تقدیم و تاخیر پر مبنی ہے اور تہذیبی ارتقا میں ابتدا سے شامل ہے ۔ پروفیسر فتح محمد ملک کے مطابق ''جو بات حالی اور آزاد کے زمانے میں باغیانہ تھی وہ ہمارے زمانے تک آتے آتے ادبی روایت کا حصہ بن کر رسمی اور روایتی ہو گئی ہے۔''[۸] ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی تاریخی و معاشرتی ارتقاء کی تاریخ میں پتھر کے زمانے سے دھات کا زمانہ جدید تھا۔ شکار، تلاش کے عہد کے مقابلے میں کھیتی باڑی کا عہد زیادہ جدید تھا حالانکہ دونوں انسانی تہذیب کی طفولیت سے متعلق ہیں ۔ جدت کے اس تصور کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے ۔

۲۔ تاریخی جدیدیت

تاریخ کے اس مقام پر جہاں ہم کھڑے ہیں جب ہم پیچھے دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک لمبا عرصہ تک ایسا زمانہ نظر آتا ہے جسے کلاسیکی عہد کہا گیا ہے۔ یہ زمانہ شہنشاہیتوں ، بادشاہتوں ، جاگیرداری اور دیہی معاشرت کا زمانہ تھا۔ اس عہد کا ایک مخصوص نظام فکر تھا جو انسانی وجود اور زندگی کی ایک مخصوص تعبیر کرتا تھا۔ یہ سمجھا گیا تھا کہ دنیا ایک میکانکی طور پر مکمل نظام ہے۔ ہماری زمین اس کائنات کا مرکز ہے اور یہ سکون کی حالت میں ہے ، ہر چیز اس کے گرد گردش کرتی ہے ۔ ازلی اور ابدی طور پر متعین اس نظام فکر میں تبدیلی اور نئے پن کو ایک بدعت اور خرابی سمجھا جاتا تھا ۔ یہ عقیدہ پختہ تھا کہ قدما اور بزرگ پرانی نسل جو اصول دے گئے ہیں ، جو معیار قائم کر گئے ہیں ، جو راستے دکھا گئے ہیں وہ مکمل ، حتمی اور آخری ہیں۔ ان میں کسی تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ہماری زندگیوں کا صرف یہی مقصد ہے کہ قدما کے دیے ہوئے ان اصولوں اور ضابطوں پر چلتے ہوئے زندگی گزار دیں ۔ ان کا خیال تھا کہ زندگی ایک مکمل دائرہ ہے جو ازل سے شروع ہوا تھا اور ابد تک جاری رہنے والا ہے۔ عرش پر خدا ہے اور زمین پر اصول و اسناد اور استناد، انسان کی تمام قسمت پہلے سے مقرر ہے ، اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے ۔ یہ کلاسیکی تصورات تھے اور یہ تصورات چودھویں صدی تک انسانی تہذیب و تمدن پر غالب رہے۔ یہ ایک قوی ہیکل مابعد الطبیاتی نظام فکر تھا جامد اور مسلط ۔ پھر آہستہ آہستہ اس میں

دراڑیں آنے لگیں۔تبدیلی آنے لگی ، نئی آوازیں اٹھیں ، لوگوں نے ان بنیادی تصورات کو چیلنج کرنا شروع کیا جن پر اس نظام فکر کی بنیاد تھی۔ کہا گیا کہ سورج زمین کے گرد گردش نہیں کرتا بلکہ زمین گردش میں ہے جو گول ہے اور پھر کہا گیا کہ تبدیلی اصلِ حیات ہے، انسان کا مقدر مقرر نہیں ہے بلکہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہے ، فرد آزاد ہے اور اپنے تخلیقی عمل میں اس پر کوئی قدغن نہیں لگنی چاہیے ۔ جرأت ، تحقیق ، تلاش ، جستجو ، آزادیٔ فرد اور آزادیٔ فکر کے یہ تصورات ایک نیا انقلاب لے کر آئے اور اٹھارہویں صدی کے وسط میں وہ انقلاب شروع ہو گیا جسے رومانوی تحریک کہا گیا ہے ۔ رومانوی تحریک کا آغاز اصل میں کلاسیکیت کے مقابلے میں عہدِ جدید کا آغاز ہے ۔ یہ رومانوی جدیدیت کلاسیکیت کے شکنجوں ، معیاروں اور اصولوں کے خلاف فرد اور انسان کی آزادی کی بغاوت تھی ۔ یہاں سے انسان کی نئی ترقی کا سفر شروع ہوا۔ اس نے فطرت کے رازوں سے پردہ اٹھانے کی جرأت کی جرأتمند انسانوں نے اپنی آزادی کو اور آزادیٔ فکر و تحقیق کو محفوظ کرنے کی کوششیں شروع کیں اور انسان کو ان غیر ضروری بندھنوں اور سماجی روایات سے آزاد کرنے کی کوششیں شروع کی گئیں جن میں کلاسیکی فکر نے اس کو جکڑ رکھا تھا ۔ اس طرح سے کلاسیکی قدیم عہد کے مقابلے میں جدید عہد کا آغاز ہو گیا ۔ روشنی، آزادی اور حریت کا یہ سفر جدیدیت کا آغاز ہے اور جب اس لحاظ سے بحث کی جائے تو اسے متعین کر لینا چاہیے کہ یہاں جدیدیت سے مراد کلاسیکیت کے مقابلے میں رومانویت کے نئے عہد کا آغاز ہے ۔

۳۔ عینی جدیدیت

انسانی فکر و نظر کی آزادی کے نتیجے میں سائنسی ایجادات، انکشافات اور معاشی و معاشرتی تبدیلیوں کا ایک دور شروع ہوا ۔اس عہد میں انسانوں کی تخلیقیت نے چار عظیم تصورات کی بنیاد رکھی جو مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ انقلاب فرانس نے انسانوں کی مساوات ، برابری اور آزادی کا نعرہ لگایا اور اس کے بعد سے دنیا کبھی بھی وہ نہ ہو سکی جو پہلے تھی۔

۲۔ کارل مارکس نے معاشی آزادی اور تمام انسانوں کے معاشی حقوق کا نعرہ بلند کیا جس کا مطلب تھا کہ تمام ذرائع پیداوار تمام انسانوں کی مشترکہ ملکیت ہیں اور تمام انسانوں کا اس پر برابر کا حق ہے۔

۳۔ ڈارون نے Origin of Species لکھی جس سے یہ تصور انسانی ذہن میں راسخ ہوا کہ انسان ارتقا اور تبدیلی کے راستوں پر ہے اور اس کی کوئی حد نہیں ہے ۔

۴۔ فرائیڈ نے لاشعور کے وجود کا اعلان کیا اور پتہ چلا کہ انسانی ذہن بنی نوع انسان کے ابتدا سے لے کر اب تک کے تمام تجربات ،تصورات،نظریات اور خیالات کا ایک وسیع سمندر ہے اور تخلیقیت کا ایک لامنتہا خزانہ ۔

ان تصورات نے انسانوں کے سوچنے اور معاشرے کے نظم و ضبط کے تمام نظریات کو بدل دیا۔ ترقی ، خوش حالی ، ذرائع پیداوار اور قدرت پر اختیار کا ایک دور شروع ہوا۔ ذرائع آمد و رفت ، رسل و رسائل ،تعلیم و تبلیغ اور انسانوں کی نقل و حرکت میں لامنتہا اضافہ ہوا اور لوگ ایک سنہرے دور کے خواب دیکھنے لگے کہ جب تمام انسان امن سے رہیں گے ، جنگ ختم ہو چکی ہو گی ، خوش حالی کا دور دورہ ہو گا ، ہر ایک کے پاس بنیادی ضرورت کے لیے ذرائع ہوں گے، کوئی بھوکا نہیں ہوگا، علم تک تمام انسانوں کی رسائی ہوگی۔ ان اعلیٰ مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے ایک نئی سوچ پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں یہ سمجھا گیا کہ مندرجہ ذیل کو فروغ ہوگا

۱۔ جمہوریت یعنی ایسا طرزِ حکومت جو تمام انسانوں کی مرضی کے مطابق ہو۔

۲۔ انسانی آزادی اور انسانی حقوق کا تصور کہ تمام انسان آزاد ہیں ، سب کو خوش حالی ، روٹی، کپڑا اور مکان کی ضرورت پوری کرنے کا حق ہے ۔

۳۔ امن قائم ہو، دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہو اور نو آبادیاتی نظام اور استحصال ختم ہونا چاہیے ۔

ان رجحانات و خیالات کے پیش نظر روس اور چین میں کیمونسٹ حکومتیں قائم ہوئیں۔ لیگ آف نیشنز (League of Nations) اور یو۔ این ۔ او کا قیام عمل میں آیا، جمہوریت ،خوش حالی ،تعلیم کو فروغ دینے ،جہالت کی دوری ، بیماریوں سے نجات ، غربت وافلاس سے نجات کے بڑے بڑے خواب دیکھے جانے لگے۔جن کو روبہ عمل لانے کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنائے گئے ۔ اس دور کو ہم مہا بیانیوں کا دور کہہ سکتے ہیں جو انیسویں صدی کے اختتام سے بیسویں صدی کے نصف تک ہے ۔ یہ دور بنی نوع انسانوں کی اجتماعی خوشی اور خوش حالی کے خواب دیکھنے کا دور ہے کہ تمام ممالک نو آبادیاتی نظام سے آزاد ہوں گے ، جمہوری حکومتیں قائم کرنے کی کوششیں کی گئیں ، عالمی سطح پر تعلیم اور صحت کے منصوبے بنائے گئے ۔ جدیدیت کا یہ ایک روشن دور تھا جب بنی نوع انسان نے یہ خواب دیکھے۔

جب بھی مہابیانیوں کا ذکر کیا جائے تو اس سے جدیدیت کا یہی دور مراد ہے اسے بھی جدیدیت ہی کہا گیا تھا کہ یہ تمام اعلیٰ تصورات جدیدیت کا ثمر ہیں ۔

۴۔ فنی جدیدیت

انسان نے درج بالا خواب دیکھے ، ان خوابوں کی تعبیر کے لیے قومی اور بین الاقوامی تنظیمیں بھی بنائیں لیکن تمام خوابوں کی طرح ان کی تعبیر بھی ادھوری رہی کیونکہ ان خواب دیکھنے والوں نے قوموں کی کوتاہ نظری، لالچ ، خودغرضی ،خود پسندی ، ہوسِ اقتدار اور ہوسِ ملک گیری کو نظر انداز کیا تھا جبکہ یہ چیزیں انسانی قومی حکومت کے نظام میں خمیر کی طرح شامل ہیں لہٰذا جو خواب دیکھے گئے وہ پورے نہ ہو سکے اور ان کو تعبیر کرنے میں بہت بڑے بڑے دل خراش و دل شکن مظاہر نمودار ہوئے۔ دو بڑی شدید جنگیں جنگ عظیم اول و دوم لڑی گئیں جن کے نتیجے میں کروڑوں انسان مارے گئے ،شہر تباہ ہوئے ، انسانوں نے انتہائی مظالم ومصائب کا سامنا کیا اور وہ خواب جو لوگوں نے دیکھے تھے وہ چکنا چور ہو گئے ، دنیا دو گروہوں میں بٹ گئی ، سرد جنگ کا آغاز ہو گیا ، ایٹم بم کی ایجاد سے لوگ دہشت زدگی کا شکار ہوئے اور انھیں اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا ۔

اس کے ساتھ ساتھ نئی صنعتی ترقی نے پرانے زرعی معاشرے کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیا تھا۔لوگ تلاشِ معاش میں کھیتوں سے شہروں کی طرف ہجرت کرنے لگے تھے ،شہر کنکریٹ، اینٹ اور پتھر کے جنگل تھے جس میں معاشرتی سکون و اطمینان کا کوئی گوشہ نہ تھا ، پرانا معاشرہ شکست و ریخت ہوا اور افراد بکھرے،خاندانی نظام، دیہی نظام،مشترکہ خاندان کا نظام ٹوٹ پھوٹ سے دوچار ہوا ، لوگ تنہائی کا شکار ہوئے ،انھیں اپنے آگے پیچھے اور اوپر نیچے خلا کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اکتاہٹ ،تنہائی اور دہشت زدگی کا دور دورہ ہوا ،فرد جو آزادی کی تلاش میں نکلا تھا ،اس تلاش میں بالکل کٹ کر رہ گیا تب اسے احساس ہوا کہ اس کے وجود کو انسانی تعلقات اور معاشرے کی مدد کی بھی ضرورت ہے محض ، روٹی ، کپڑا اور مکان کافی نہیں، انسانی رشتوں اور تعلقات کا نظام بھی اس کی ضرورت ہے۔

ان تمام تبدیلیوں نے وجودیت کے رجحان اور تصورات کو فروغ دیا جو اصل میں جدیدیت کے اس نئے مظہر کی ایک پیداوار تھا۔ اور جدیدیت کا یہ تصور جدیدیت کے پچھلے تینوں تصورات سے مختلف ہے۔ فرد کی تنہائی، اکتاہٹ، اکیلا پن، دہشت زدگی، اس کا اپنی ذات ہی میں سمٹنا ایک جدید روش تھی جس کا یہ انجام ہوا انسانوں کو احساس ہوا کہ بنیادی معاشرتی گروہ بھی اس کے وجود اور نفسیات کے سہارے کے لیے ضروری ہیں۔ اور اس طرح سے دوبارہ انسان اپنے ان گروہوں کی طرف پلٹے جہاں ان کی جڑیں تھیں، علاقائیت اور قبائلیت کی اہمیت ایک دفعہ پھر واضح ہوئی، اپنی شناخت کے لیے لوگوں نے اپنی زبان، اپنے علاقے، اپنے گیتوں، لوک ورثے، رنگ روپ، میلے ٹھیلے اوراپنی زبان کی طرف پھر رخ کیا۔اس نقطہ نظر سے وابستہ لوگوں نے اپنے لیے جدیدیت کی فلسفیانہ اصطلاح استعمال کی۔

جدیدیت کے پیچیدہ اور اختلافی مظہر کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے جس میں اس کے چار بنیادی تناظر کی نشان دہی کی گئی ہے۔ انسانی نظام فکر کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے یہ نشان دہی بہت ضروری ہے۔ ان میں سے ہر عنصر علیحدہ بحث و تحقیق کا متقاضی ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کے معاشرتی، فکری اور فنی اظہار کی الگ الگ وجوہات اور جداگانہ صورتیں ہیں۔ روایتی جدیدیت کسی بھی صورت میں کہیں بھی ظاہر ہوسکتی ہے۔تاریخی جدیدیت انسان کی تاریخ میں ایک ہی دفعہ ظہور پذیر ہوئی ہے۔ عینی جدیدیت انسان کی وحدت وعظمت کے خواب کا اظہار تھی اور فنی جدیدیت اس خواب کے شکستہ ٹکڑوں پر استوار ہوئی ہے۔ جدیدیت کی بحث میں یہ امتیاز ضروری ہے اور یہ امتیاز اس کے معروضی مطالعے کی بنیاد ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1. Lovejoy, A.O; On the Discriminations of Romanticisms; P.M.L.A; xxxix, pp223-229; Reprinted Romanticism, Points of View, pp66-88
2. Morse Pekham, Towards a Theory of Romanticism,P.M.L.A, Lxvii, 1951, pp5-23; Reprinted Romanticism, Points of View, pp231-257)
3. Grierson, J. C; Classic and Romantic, p-6

۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، توضیحی لغت، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2011ء، ص 103

۵۔ ایضاً

۶۔ شمیم حنفی، ڈاکٹر، جدیدیت کی فلسفیانہ اساس، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2005ء، ص 21

۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی، مغرب میں جدیدیت کا آغاز، فنون جولائی 1968ء مشمولہ جدیدیت کا تنقیدی تناظر مرتبہ اشتیاق احمد، لاہور: بیت الحکمت، 2006ء، ص 15

۸۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، جدیدیت کا عصری روپ، تحسین و تردید، 1980ء مشمولہ جدیدیت کا تنقیدی تناظر، محولہ بالا